اسلامی تصوّف کا ارتقاء
ایک تحلیلی مطالعہ

عبد المبین، ۵۹ غفار منزل جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

(۴)

اور اس دور میں صوفیائے کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ علوم و اشارات (صوفیانہ اصطلاحات) کی اشاعت کی، اور اسی دور میں انہوں نے وحدۃ الوجودی فکر کا احساس کیا، لیکن اسی پر بحث اپنی مخصوص محفلوں تک ہی محدود رکھا اور کوئی رسالہ اسی سلسلے میں تحریر نہیں کیا۔ شیخ عطار کی روایت کے مطابق حضرت شبلی نے سب سے پہلے ان اسرار خصوصاً وحدۃ الوجود کو منبر پر بیان کیا اور جب حضرت جنیدؒ نے ان کو ٹوکا کہ ہم نے تمہیں یہ بات میں بتائی تھی، اور تم سب کے سامنے بیان کر رہے ہو، تو انہوں نے کہا "یہاں غیر کون ہے؟ وہی کہہ رہا ہے۔ وہی سن رہا ہے"۔ ۳۱

اس عہد میں صوفیاء پر بہت زیادہ تنقیدیں ہوئیں اور مسلمانوں کے کئی طبقوں نے ان کے بہت سے اصطلاحات کو غیر شرعی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ تو ابو بکر الکلاباذی (وفات چوتھی صدی ہجری) نے "التعرف" نام کی ایک کتاب لکھی اور قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی، کہ صوفیاء کی صحیح تعلیمات

نہ صرف انکا دونذ نذقذے دور ہیں، بلکہ بعینہ وہی ہیں جو اہل سنت
کا عقیدہ ہے [illegible] اور الکلاباذی کی یہ کتاب علم تصوف پر اتنی اہم مانی
جاتی ہے کہ سہروردی المقتول (م ۵۸۷ھ / ۱۱۹۱ء) کا یہ قول اس کے
متعلق بڑا مشہور ہوا کہ اگر کتاب "تعرف" نہ ہوتی تو کوئی تصوف
کو نہ جان سکتا [illegible]

دسویں صدی عیسوی میں عباسی خلافت اگرچہ قائم ہے لیکن
اس کا اقتدار بہت سمٹ چکا ہے۔ بہت سی خود مختار علاقائی
حکومتیں قائم ہو چکی ہیں۔ خلیفہ اپنے وزرا کے ہاتھوں کھلونا بنا ہوا
ہے۔ جو اپنی ریشہ دوانیوں سے خلیفہ کو ہر طرح سے عیاشیوں کا خوگر
بنا رہے ہیں، اسے ملکی معاملات سے الگ تھلگ کر کے سلطنت کے
سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے ہیں۔

مسلمانوں کے مذہبی فرقے آپس میں معرکہ آرا ہیں، جس کی
وجہ سے مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کو
غیر مسلموں کے ساتھ بحیثیت حاکم کے رہتے ہوئے کافی دن ہو گئے
ہیں لیکن بہت سے علاقوں میں مسلمان آبادی کے لحاظ سے اقلیت
میں ہیں۔ اور ان علاقوں کے مسلم حکمرانوں کے درمیان خانہ جنگی
ہے۔ جیسا کہ اس وقت اندلس میں تھا، جس سے بعض مسلمانِ اندلس
کو یہ خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ کہیں اکثریت ان کے آپسی اختلافات
اور باہمی خانہ جنگیوں سے فائدہ اٹھا کر انہیں اقتدار سے ہی محروم نہ
کر دے، بلکہ اس سرزمین ہی سے نہ نکال دے۔

مسلم صوفیاء اپنے قدماء کے "تصور عشق" پر تجربات کر رہے

جیسے شیخ اور وظائف سے نئی نئی منزلیں طے کر رہے ہیں اور جدید اصطلاحات وضع کر رہے ہیں۔ (جنہیں شیخ ابوالنصر سراج (م ۳۷۸ھ/۹۸۸ء) نے کتاب اللمع اور شیخ ابوطالب مکی (م ۳۸۶ھ/۹۹۶ء) نے "قوت القلوب" میں تحریر کیا ہے۔) اور اپنے ہم سایہ تعلیم یافتہ غیر مسلموں کی کتابوں کے ترجمے کر رہے ہیں۔ جیسا کہ گیارہویں صدی میں میر محمد قاسم فندرسکی نے ہندوؤں کی مشہور ترین کتاب "یوگ وششٹ" کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ جس میں یوگیوں کے افعال اور ریاضتوں سے بحث ہے۔ [31]

یہی وہ دور ہے، جس میں صوفیاء کے حلقے اور گروہ بننے شروع ہوئے اور بہت سے بدعی گروہ بھی پیدا ہوئے۔ چنانچہ شیخ علی ہجویری (م ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) نے اپنی مشہور کتاب "کشف المحجوب" میں صوفیاء کے بارہ گروہوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جنہیں دو کو مردود اور باقی کو مقبول قرار دیا ہے۔ [32] اسی طرح امام قشیری (م ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) نے اپنی مشہور کتاب "الرسالہ" میں بدعتی صوفیاء پر زبردست تنقید کی ہے اور انہیں احتساب نفس کی دعوت دی ہے [33]

امام قشیری اور شیخ علی ہجویری نے اسی دور میں اپنی انہی کتابوں کے ذریعے صوفیانہ اصطلاحوں کی تشریح کی اور تصوف پر کیے گئے اعتراضات کا جواب دے کر اسے شریعت کا ہمنوا ثابت کیا۔

حجۃ الاسلام امام غزالی (م ۵۰۵ھ/۱۱۱۲ء) جنہیں بارہویں صدی عیسوی کا مجدد کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "احیاء علوم الدین" اور "المنقذ من الضلال" میں صوفیاء کے غلط عقائد پر کھل کر

تنقید کی ہے لیکن وہ خود بہت بڑے صوفی تھے۔ چنانچہ انہوں نے بہت سی صوفیانہ اصطلاحوں کو شرعی لحاظ سے درست بتایا ہے۔ اور توحید الوجود کے متعلق کچھ واضح اشارے اور اپنے ذاتی تجربات بیان کیے ہیں۔ ۲۵

بارہویں صدی کے درمیانی عہد میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (م ۱۱۶۶ء) صوفیا کے سرخیل تسلیم کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب .... فتوح الغیب کے اندر صوفیانہ اصطلاحات پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ بہت سے صوفیانہ عقائد و اعمال پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مومن کو چاہیے کہ سب سے پہلے فرائض پر توجہ دے۔ جب یہ ادا کر چکے، تو سنتوں کو اختیار کرے، اس کے بعد نوافل پر توجہ دے۔ لیکن جو شخص ابھی فرائض سے فارغ نہ ہوا ہو، اس کے لیے سنتوں میں مشغول ہو جانا حماقت و نادانی ہے۔ اس لیے کہ ادائے فرض کے بغیر سنن و نوافل غیر مقبول رہیں گے، اور جو شخص ایسا کرے گا، خوار ہوگا۔ ۲۶ اسی دور میں حکیم سنائی (م ۱۱۵۰ء) اور بعد میں فریدالدین عطار (م ۱۲۲۹ء) نے تصوف کو شاعرانہ رنگ میں پیش کرکے اسے عوام کے لیے قابل قبول بنا دیا۔

تیرہویں صدی عیسوی میں شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء) نے اپنی معروف کتاب "عوارف المعارف" میں تصوف کا فلسفہ، اصطلاحات اور خانقاہی نظام کے اصول مرتب کیے۔ اور اسی عہد میں شیخ محی الدین ابن عربی (ان کا تعلق اندلس (یورپ) سے تھا، جو اپنے مخصوص آب و ہوا اور [illegible] اوصاف کی بنیاد پر اسلامی علوم و فنون کا اہم ترین مرکز تھا) (م ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) نے نظریہ وحدۃ الوجود کو اپنی مشہور کتاب "فصوص الحکم" میں تفصیل سے

بیان کیا۔ جس کا انداز بیان نہایت فلسفیانہ اور عالمانہ تھا۔ اور یہ مسئلہ بذاتِ خود مشکل تھا۔ اس لیے یہ اسرار عوام تک تو نہیں پہنچ سکے، لیکن ابن عربی کی یہ کتاب تمام صوفیاء کے تدریسی و عملی نصاب کا لازمی حصہ بن گئی۔ اور بعد میں اس کی بہت سی شروحات لکھی گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام صوفیاء کے یہاں نظریہ وحدت الوجود، مقبولِ عام ہو گیا۔

تیرھویں صدی عیسوی میں جبکہ عباسی سلطنت اپنے وجود کے لیے خود ایک بوجھ بن چکی تھی۔ جس کی وجہ سے اسلامی سماج کے حیات آفریں رگوں کا ‎خون بالکل منجمد ہو گیا تھا۔ اس وقت تاتاری یلغار نے حالات سے فائدہ ‎اٹھاتے ہوئے ۱۲۵۸ء میں اسی نام نہاد عباسی خلافت کی تابوت میں ‎آخری کیل ٹھونک دی، تو پورے عالم اسلام پر سیاسی پسپائی اور ذہنی ‎انتشار کے سیاہ بادلوں نے قرب قیامت کا ماحول پیدا کر دیا، ایسے نازک ‎وقت میں صوفیاء نے اپنے سلسلوں اور خانقاہی نظام کو اور منضبط کیا، ‎ابدال، غوث کا تصور پیش کر کے، شکست خوردہ قوم اور بکھری ہوئی ‎ملت کی از سر نو شیرازہ بندی کی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے الفاظ ‎میں منگولوں کی پیدا کردہ ذہنی ابتری کو مشائخ نے اس طرح ختم ‎کیا کہ چپہ چپہ پر اپنا روحانی نظام قائم کر دیا اور ہر جگہ لوگوں کی ‎تربیت کے لیے مقامی ذمہ دار متعین کیے گئے۔ اسی دور میں ‎مولانا روم ۱۲۷۳ء نے اپنی مشہور مثنوی، لکھکر تصوف کو ‎لوگوں کی زبان پر جاری کر دیا۔

‎یہیں سے تصوف کا عروج شروع ہوتا ہے اور چند دہوں ‎بعد اسلامی تصوف اپنے جدید فلسفیانہ نظریات اور باعمل صوفیا۔

کی کوششوں سے مقبولیت کے بام عروج پر پہنچ جاتا ہے۔ جس کا گہری اثر ساری دنیا پر پڑا۔ خاص طور سے برّاعظم ایشیاء کا یہ سب سے مقبول اور پسندیدہ فلسفۂ زندگی اس وقت بنا، جب کہ ایشیا دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھا۔

پروفیسر نظامی نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ مشائخ چشت" میں ۱۷۳ سلسلوں کا تذکرہ کیا ہے[۳۵] جن میں سب سے قدیم سلسلۂ خواجگان، سلسلۂ کبرویہ اور سلسلۂ قادریہ ہیں۔ ہندوستان میں سب سے پہلے بارہویں صدی میں چشتیہ سلسلے کی داغ بیل پڑی۔ پھر سہروردیہ اور فردوسیہ سلسلے یکے بعد دیگرے آئے۔ پندرہویں صدی میں قادریہ اور شطاریہ سلسلوں سے ہندوستان متعارف ہوا۔ اکبر کے دور میں۔ نقشبندیہ سلسلہ، خواجہ باقی باللہ نے قائم کیا اور سولہویں صدی تک ہندوستان میں صوفیاء کے متعدد سلسلے قائم ہو گئے۔ چنانچہ ابوالفضل نے آئین اکبری میں ۱۴ سلسلوں کا تذکرہ کر کے، ان میں سے کچھ کو مردود اور باقی کو مقبول بتلایا ہے[۳۶]

سولہویں صدی تک ہندوستان میں تین سلسلے ــــ چشتیہ سہروردیہ اور قادریہ سب سے زیادہ مقبول تھے۔ جن میں "وحدۃ الوجود" کا نظریہ یکساں طور پر مقبول تھا[۳۷] لیکن دیگر صوفیاء اوراد و وظائف اور اعمال و اشغال کے لحاظ سے یہ سب ایک دوسرے سے متبائن تھے۔ ان میں چشتیہ سلسلہ، سب سے زیادہ روشن خیال تھا۔ جس کے سب سے مشہور بزرگ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء) مانے جاتے ہیں۔ ان کے ملفوظات کو "فوائد الفوائد" نامی کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اس

ہیں حضرت نظام الدین اولیاء عشق و محبت کے بارے میں کہتے ہیں کہ سچی محبت پیروی کا دوسرا نام ہے اور جب کوئی اللہ سے محبت کرے گا، تو یقیناً اس کی پیروی بھی کرے گا اور اعمال ناشائستہ سے دور رہے گا[16] اور ترکِ دنیا کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انسان اپنا لباس اتار دے، لنگوٹ باندھے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان لباس بھی پہنے اور کھانا بھی کھائے، البتہ جو کماتا رہے، خرچ کرتا رہے، جوڑ جوڑ کر نہ رکھے[17] اسی کتاب میں مذکور ہے کہ ایک بار حضرت اولیاء کے آستانہ پر موجود بعض درویشوں نے ایک ایسے مجمع میں رقص کیا، جس میں چنگ و رباب اور مزامیر تھے، جب وہ درویش واپس آئے، تو ان کی گرفت ہوئی کہ اس مجلس میں باجہ بھی تھا، تم نے سماع کیسے سنا؟ انھوں نے جواب دیا، کہ ہم سماع میں اسی قدر مست و غرق ہو گئے کہ ہمیں باجہ کے ہونے نہ ہونے کا پتہ نہ چلا، حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا، "کہ جواب لغو ہے، وہ عمل معصیت ہی میں لکھا جائے گا"[18] حضرت اولیاء کے یہاں سماع سننے کے کچھ شرائط تھے۔ جیسے گانے والا بالغ مرد ہو، کلام میں ہزل و فحش گوئی کی آمیزش نہ ہو، سننے والا اللہ کے لیے سنے اور اس کا دل یادِ الٰہی سے لبریز ہو[19]

سترہویں صدی میں شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۶۲۹ء) نے "وحدۃ الشہود" کا نظریہ پیش کیا۔ (جیسے مادھو نام کے ایک یوگی نے تیرہویں صدی میں معمولی فرق کے ساتھ پیش کیا تھا[20]) جو معنوی لحاظ سے وحدۃ الوجود کی ضد تھا[21] شیخ احمد سرہندی کے پیرو کار مجددیہ کہلاتے ہیں[22] اٹھارہویں صدی تک اس سلسلہ کو بڑی مقبولیت ...

حاصل ہو گئی۔

اٹھارہویں صدی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۷۶۲ء) نے جب وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں مطابقت پیدا کی اور اعتدال کا راستہ نکالا تو مجددیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اور مرزا مظہر جان جاناں (م ۱۷۸۱ء) کے اشارے پر مولوی غلام یحییٰ نے شاہ ولی اللہ کے جواب میں "رسالہ کلمۃ الحق" لکھا۔ جس کا جواب شاہ رفیع الدین (م ۱۸۱۸ء) نے "کتاب دفع الباطل" میں دیا۔ انہوں نے یہ ثابت کیا کہ وحدۃ الوجود ہی صحیح ہے اور مجدد سرہندی کی بات نئی ہے۔ اس کے بعد قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ان دونوں نظریات میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مگر ارشاد الطالبین میں ان کا پہلو "وحدۃ الوجود" کی طرف مائل نظر آتا ہے۔

بیسویں صدی میں اگر ایک طرف مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۹۴۳ء) جیسے مقتدر عالم نے "وحدۃ الوجود" کو صحیح ثابت کیا ہے (جن کی دینی تحریروں کا ہندوستانی مسلمانوں پر سب سے زیادہ اثر ہے) تو دوسری جانب شہرۂ آفاق شاعر علامہ اقبال (م ۱۹۳۸ء) نے وحدۃ الشہود کے فلسفے کو پسند کیا ہے۔ جن کی سیاسی اور فلسفیانہ شاعری نے ہندوستان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔

چودہویں صدی میں کچھ اچھے صوفیاء نے خانقاہی نظام کے تصوف کو ایشیاء کا سب سے مقبول نظریہ حیات بنا دیا۔ لیکن جب انتقال ہو گیا تو دھیرے دھیرے عوام نے ان کے مزاروں و خانقاہوں

کی پرستش شروع کردی، جو آج بھی جاری ہے۔ البتہ تصوف پر یقین رکھنے والے کچھ لوگوں کا شروع سے یہ عقیدہ تھا اور اب بھی ہے کہ ان خانقاہوں کی پرستش حرام ہے البتہ ان کی زیارت کرنی چاہیئے۔

اس طرح اسلامی تصوف۔ جو کہ خلفاء راشدین کے عہد تک، عرب معاشرے کے تدین اور سادگی کی وجہ سے دنیا و آخرت کے متوازن تال میل کا نام تھا، وہ بعد کے عہدوں میں، نوعیت حکومت کی مسلسل تبدیلیوں اور عجم کے شہری معاشرے کے فطری اثرات کے تحت بتدریج تنہائی پسندی سے خانقاہی اور پھر خانقاہ پرستی میں، اطاعت الٰہی سے عشق الٰہی اور پھر وحدۃ الوجودی کے ساتھ وحدۃ الشہودی میں بدل گیا۔

نظام تصوف و فلسفہ تصوف میں ان ارتقائی تبدیلیوں کا مثبت اثر یہ ہوا کہ برِّاعظم ایشیا سکون قلب اور انبساط روح جیسی لذات سے محظوظ ہوتا رہا۔ عوامی اتحاد اور انسانی اخوت جیسے اقدار اس کے تہذیبی سرمائے میں لطافت و نکھار پیدا کرتے رہے، لیکن منفی اثر نے ایشیا کے ذہین و طباع لوگوں کی صرف انہیں تخلیقی صلاحیتوں کا گلا ہی نہیں گھونٹ دیا، جن کی مدد سے ایشیا یورپ کا مقابلہ کرتا، بلکہ ان سے شعور بھی چھین لیا، جو ان کو یہ احساس دلاتا کہ ایشیا ایک عالمگیر یادی ... سی نظام کے تحت یورپ کا غلام بنتا جارہا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ قدیم عرب کی جغرافیائی ہیئت جاننے کے لیے ابن اثیر کی "الکامل" کی پانچ جلدیں اور مولانا محمد رابع ندوی کی جزیرۃ العرب ملاحظہ ہو۔
۲۔ رسول اللہ کی حدیث ہے کہ میانہ روی اختیار کرو اور خوش ہو جاؤ۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق) دوسری جگہ ارشاد نبوی ہے کہ سب سے اچھا امر اس کا معتدل ہونا ہے۔
۳۔ رسول اللہ کا فرمان ہے کہ لوگوں سے اللہ کے لیے محبت کرنی اور اللہ ہی کے لیے لوگوں سے نفرت کرنی چاہیئے۔ مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب، باب الحب فی اللہ والبغض من اللہ۔
۴۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی، صدیق اکبر، دہلی، ۱۹۷۶، صفحہ ۷۳۔
۵۔ حالانکہ اموی دور سے پہلے عہدِ فاروقی ہی میں مسلمانوں کے پاس کافی دولت آگئی تھی چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ (جن کا تعلق سماج کے متوسط طبقے سے تھا) نے اپنے ترکہ میں سونے اور چاندی کے ڈلے چھوڑے تھے، جو کلہاڑیوں سے کاٹے جاتے تھے، اور ایک لاکھ دینار کی جائداد چھوڑی تھی۔ اور حضرت عثمانؓ (جن کا تعلق اونچے طبقے سے تھا) نے اپنی شہادت کے وقت، ڈیڑھ لاکھ دینار، دس لاکھ درہم اور غیر منقولہ جائداد دو لاکھ دینار کے لگ بھگ چھوڑی تھی۔ لیکن دولت کے مضر اثرات سے یہ لوگ محفوظ تھے۔ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔ لیکن اپنے بچاؤ کے لیے اس خوف سے انہوں نے اپنی دولت و طاقت کو نہیں استعمال کیا کہ اس

مسلمانوں کا خون بہے گا۔ (علامہ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون،
ار دو ترجمہ، کراچی، ۱۹۸۰ء، ۱۲۰، صفحہ ۴۷۸۔
- تفصیلات کے لیے ابو زہرا مصری کی "المذاہب الاسلامیۃ" ملاحظہ ہو۔
- امام ابوبکر الکلابادی، التعرف، اردو ترجمہ، لاہور ۱۹۷۸ء، صفحہ ۲۴
- القرآن، الذاریات، ۳
- " ، السجدہ ، ۲۹
- " ، آل عمران ، ۲۰
- " ، النور ، ۳۷
- امام بخاری و امام مسلم، صحیح بخاری و صحیح مسلم، بحوالہ مشکوٰۃ شریف
کتاب الایمان۔
- نفحات الانس، صفحہ ۲۲
- ضیاء الحسن فاروقی، حضرت جنید بغدادیؒ۔ شخصیت اور تصوف
نئی دلی، ۱۹۸۲ء صفحہ ۱۴۰
- علامہ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، اردو ترجمہ، کراچی، ۱۹۸۰ء، ۱۲، صفحہ ۲۲۴
- امیر علی، روح اسلام، اردو ترجمہ، نئی دلی ۱۹۸۶ء صفحہ ۶۸۴
- تفصیلات کے لیے اشعری کی "مقالات الاسلامیین"، امام غزالی کی "تہافۃ الفلاسفہ"
اور ابن رشد کی "تہافۃ التہافۃ" ملاحظہ ہو۔
تفصیلات کے لیے ابن حزم کی "فصل فی الملل والنحل" اور شہرستانی کی
الملل والنحل ملاحظہ ہو۔
القرآن، ق، ۱۶
" ، البقرہ ۱۶۵

۲۱- امام بخاری، صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع۔

۲۲- علامہ اقبال، کلیات اقبال - بال جبریل، علی گڑھ، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۹۷-

۲۳- امام ابوبکر الکلاباذی، التعرف، اردو ترجمہ، لاہور، ۱۹۸۷ء صفحہ ۲۵

۲۴- مولانا عبدالماجد دریابادی، تصوف اسلام، لکھنؤ، ۱۹۸۰ء، صفحہ ۹۱

۲۵- مولانا محمد حنیف ندوی، تعلیمات غزالی، لاہور ۱۹۶۲ء، صفحہ ۲۲

۲۶- پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی، حضرت جنید بغدادی، شخصیت اور تعلیمات، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء صفحہ ۸۰

۲۷- حوالہ بالا صفحہ ۱۲۷

۲۸- " " صفحہ ۱۳۶

۲۹- میکش اکبرآبادی، مسائل تصوف، علی گڑھ، ۱۹۷۴ء صفحہ ۶۲-

۳۰- امام ابوبکر الکلاباذی، التعرف، اردو ترجمہ، لاہور، ۱۹۸۷ء صفحہ ۱۷۱

۳۱- حوالہ بالا۔ صفحہ ۱۷۴

۳۲- ڈاکٹر محمد عمر، ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، نئی دہلی، ۱۹۷۵ء صفحہ ۳۰۵

۳۳- شیخ علی ہجویری، کشف المحجوب، اردو ترجمہ لاہور ۱۹۷۷ء صفحہ ۳۳۸

۳۴- مولانا محمد حنیف ندوی، تعلیمات غزالی، لاہور، ۱۹۶۲ء، صفحہ ۱۰

۳۵- میکش اکبرآبادی، مسائل تصوف، علی گڑھ، ۱۹۷۴ء صفحات ۶۲، ۶۱-

۳۶- مولانا عبدالماجد دریابادی، تصوف اسلام، لکھنؤ، ۱۹۷۰، صفحہ ۱۱۲-

۳۷- پروفیسر خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، دہلی، ۱۹۸۰ صفحہ ۱۵۶

۳۸- حوالہ بالا صفحہ ۱۷۳

۳۹- ڈاکٹر محمد عمر، ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، دہلی، ۱۹۸۰، صفحہ ۳۴۶

۴۰ـ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، لاہور، صفحہ ۱۸۹۔

۴۱ـ مولانا عبدالماجد دریابادی، تصوف اسلام، لکھنؤ، ۱۹۶۰، صفحہ ۱۵۲

۴۲ـ حوالہ بالا ـ صفحہ ۱۵۰

۴۳ـ

۴۴ـ ڈاکٹر محمد عمر، ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، دہلی، ۱۹۸۰، صفحہ ۳۴۶

۴۵ـ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، لاہور، صفحہ ۱۸۹ ـ

۴۶ـ اسمٰعیل آفندی کے نام شاہ صاحب نے ایک خط لکھا تھا جس میں اس مسئلے پہ بحث ہے۔ یہ خط "فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود" کے نام سے اُردو میں شائع ہو چکا ہے۔

۴۷ـ میکش اکبرآبادی، مسائل تصوف، علی گڈھ، ۱۹۷۷ء صفحہ ۶۶ـ

۴۸ـ حوالہ مذکورہ بالا ـ

۴۹ـ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، لاہور صفحہ ۱۹۰

ختم شد